طاقت کے توازن کا قرآنی اصول

(سورۂ انفال کی دو آیات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اس مقالہ میں سورۂ انفال کی دو آیات کریمہ ۶۵ اور ۶۶ کے حوالہ سے ہم نے بحث کی ہے۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ تمام اہم متقدم متأخر مفسرین کرام کی تشریحات وتعبیرات کا تحلیلی تجزیہ کیا ہے۔ ان میں عربی مفسرین کے ساتھ ساتھ ہمارے اردو شارحین ومترجمین بھی شامل ہیں۔ بعض بعض فارسی مترجمین ومفسرین کا بھی حوالہ آیا ہے۔ تاکہ تفسیری تسلسل کے ساتھ ساتھ سلف سے خلف کی اثر پذیری بھی واضح ہوتی جائے اور کلام الٰہی کے مرادِ اصلی تک پہونچنے اور اس کے نتیجہ میں صحیح مفہوم متعین کرنے میں آسانی ہو۔

زیر مطالعہ سورۂ انفال کی آیاتِ کریمہ اور ان کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو
عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ	لڑائی کا۔ اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا	غالب ہوں دو سو پر، اور اگر ہوں تم میں
مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ	سو شخص غالب ہوں ہزار کافروں پر، اس
يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ	واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ (۶۵)	
اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ	اب بوجھ ہلکا کیا اللہ نے تم پر، اور
وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ	جانا کہ تم میں سستی ہے۔ سو اگر ہوں تم
يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ	میں سو شخص ثابت، غالب ہوں دو سو

يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ	پر، اور اگر ہوں تم میں ہزار شخص غالب ہوں
يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا	دو ہزار پر، اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ
اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ	ہے ثابت رہنے والوں کے۔
الصّٰبِرِيۡنَ (۶۶)	(ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی)

اردو انگریزی مترجمین نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے آیاتِ کریمہ کا ترجمہ یا ترجمانی کی ہے جو بیشتر صورتوں میں قرآنی الفاظ و عبارات کا مفہوم ہی پیش کرتی ہے اس کا صحیح ترجمہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا یہ ترجمہ یا ترجمانی قرآنی الفاظ کے زیادہ قریب بھی ہے اور با محاورہ بھی۔ جس سے ارشادِ ربانی کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مترجمین نے اپنے اپنے فہم و فراست اور نقطۂ نظر و اسلوب کے مطابق ان آیاتِ قرآنی کی تشریح و تعبیر بھی اپنے الفاظ میں کی ہے۔

اس بحث و تحقیق کا آغاز تفسیر طبری ۔ جامع البیان عن تاویل ای القرآن ۔ سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بقول امام ابن تیمیہ (ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ حرانی دمشقی حنبلی م ۶۲۸-۶۶۱ھ / ۱۲۶۳-۱۳۲۸ء) بہترین اور عظیم ترین تفسیر ہے۔ بالعموم تفسیر طبری کو صرف تفسیر ماثور پر مبنی سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت ایسا ہے نہیں۔ امام موصوف اپنی رائے اور تبصرہ، دلائل و براہین، تردید و تنقید، تائید و تصویب اور ایسے ہی دوسرے کئی طریقوں سے کام لیتے ہیں جو ان کی تفسیر کو ماثور اور رائے جائز پر مبنی تفسیر کا حسین مجموعہ قرار دیتے ہیں، بالخصوص ان کے "مذہب" کو ترجیح دینے کا طریقہ۔

امام المفسرین طبری (محمد بن جریر بن یزید طبری بغدادی ۲۲۴-۳۱۰ھ / ۸۳۹-۹۲۳ء) نے ان آیات کریمہ کی تفسیر و تاویل حسب دستور پہلے اپنے الفاظ و عبارت میں کی ہے۔ اس کے بنیادی نکات ہیں: تحریض کے معانی ابھارنا، آمادہ کرنا اور برانگیختہ کرنا۔ پہلی آیت کے معنی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم الٰہی یہ ملا کہ آپ اپنے پیرووں کو حق کے منکروں اور مشرکوں سے قتال و جنگ پر ابھاریں۔ ان کو بتائیں کہ بیس صابر و ثابت قدم اہل ایمان دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے اور سو ایک ہزار پر۔ کیونکہ مشرکین و منکرین حق کسی ثواب کی امید اور کسی اجر کی تمنا کے بغیر جنگ کرتے ہیں جبکہ مسلم مجاہدین

اجر وثواب کی امیدیں اور احتساب کے مقصود کی طلب میں جہاد کرتے ہیں۔ ایسے مومنین کے مقابلہ میں جب یہ منکرین حق آتے ہیں تو ثابت قدم نہیں رہتے کہ مبادا ان کی دنیا ہی تباہ ہو جائے جو ان کا مقصودِ اولین وآخرین ہے۔ دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب دس گنی تعداد منکرین کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اندر قتال وجہاد کی کمزوری وناتوانی نظر آئی تو تخفیف کر دی گئی۔ اب یہ حکم دیا گیا کہ اہل ایمان اپنے سے دوگنی تعداد سے مقابلہ کریں۔ اگر ایک سو اہل ایمان دو سو کافروں پر اور ایک ہزار دو ہزار مشرکوں سے مقابلہ کریں تو ثابت قدم رہنے پر اہل ایمان غالب رہیں گے۔

اپنے الفاظ میں ان دونوں آیاتِ کریمہ کی تشریح وتعبیر کرنے کے بعد امام طبری نے اپنی تائید میں "اہل تاویل" کی روایات، اقوال اور تشریحات نقل کی ہیں: (۱) حضرت عطاء کے بقول پہلے حکم تھا کہ ایک مومن دس کافروں کے مقابلہ سے نہ بھاگے پھر حکم دیا گیا کہ ایک دو کے مقابلے سے فرار نہ اختیار کرے۔ (۲) حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ پہلے حکم کے مطابق اہل ایمان کا ایک شخص دس کافروں پر غالب ہوتا مگر تخفیف کے بعد ایک کا مقابلہ دو سے قرار دیا گیا۔ (۳) حضرت ابن عباس کی ایک اور روایت یہ نقل کی ہے کہ اول آیت کا حکم شاق ہوا تو دوسری آیت نازل ہوئی۔ اول آیت اور اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔ دو چند دشمن کے مقابلے سے فرار جائز نہیں لیکن حکمتِ عملی کا تقاضا ہو تو گریز روا ہے کیونکہ بہرصورت قتال وجنگ واجب نہیں ہے۔ (۴) امام طبری نے اسی معنی ومفہوم کی دو مزید روایات نقل کی ہیں۔

اس کے بعد دوسرے سلفِ صالحین بالخصوص تابعین کرام کے اقوال سے تعرض کیا ہے۔ اس حصہ میں بھی حضراتِ صحابہ بالخصوص حضرت ابن عباس کی روایت نقل کی ہے۔ تابعین کرام میں حضرات عکرمہ اور حسن کا ایک متفقہ قول نقل کر کے حضرت عکرمہ اور حضرت مجاہد کے انفرادی اقوال لائے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب اہل ایمان کی تعداد کم تھی تو ایک دس کا تناسب تھا جب ان کی کثرت ہو گئی تو تخفیف کر کے ایک دو کی نسبت کر دی گئی۔ اسی نوع کے اقوال حضرات ابو نجیح، قتادہ، سدی، مجاہد، ضحاک سے روایت کرنے کے علاوہ پھر حضرت ابن عباس کا قولِ مزید بیان کیا ہے۔ ان سب

کا مفہوم ومطلب ایک ہی ہے کہ فرار حرام ہے اور ثبات وقرار واجب اور ایسا دونوں صورتوں میں ہے: پہلے ایک کے دس کے مقابلہ میں اور بعد تخفیف ایک کے دو کے بالمقابل۔ شیخ محمود احمد شاکر نے اپنے مرتبہ ومحقق نسخہ میں پہلے کے مطبوعہ نسخہ کی ایک عبارت کے بارے میں حاشیہ میں وضاحت کی ہے کہ صبر میں تخفیف کرنے کی بات غلط ہے اصل یہ ہے کہ نصر میں تخفیف کی گئی تھی کیونکہ کثرتِ تعداد کی بنا پر نصر (مدد) میں کمی ہوگئی نہ کہ صبر میں جیسا کہ اولین مطبوعہ نسخوں میں ملتا ہے۔

امام طبری نے ان توضیحات وتشریحات کے بعد فقہ کے معانی سے کلام کیا ہے۔ پہلے ابن اسحاق کا قول بیان کیا ہے کہ کافر بلا نیت، بلا حق اور بلا معرفت خیر وشر قتال کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی توجیہ کی ہے کہ پہلے تثقیل تھی پھر تخفیف ہوئی چونکہ پہلی صورت — تثقیل — میں ایک مومن کا دس کافروں سے مقابلہ کرنا فرض تھا مندوب (ندب) نہ تھا اس لیے تخفیف آئی ورنہ اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

امام طبری کا مزید ارشاد ہے کہ دونوں آیاتِ کریمہ میں اگرچہ جملہ خبریہ ہے مگر اس کے معنی امر کے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب — کتاب البیان عن اصول الاحکام — میں بیان کیا ہے کہ ہر اس خبر کو امر سمجھنا چاہیئے جس کے کرنے میں ثواب وجزا ہو اور جس کے ترک کرنے میں عقاب وعذاب ہو۔

آخر میں امام طبری نے "ضعف" کے معنی اور قرارت کی وضاحت کی ہے۔ بعض مدنی اور بصری قرار کرام کے مطابق وہ ضعف ضاد کے ضمہ کے ساتھ ہے جبکہ عام کوفی قارئین کرام کے نزدیک ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ بعض مدنی قراء نے اس کو ضُعَفَاء (ضعیف کی جمع) بھی پڑھا ہے مگر یہ شاذ قرارت ہے۔ صحیح قرارت ضعف کے ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے کہ وہ دونوں فصیح ہیں[1]۔

امام المفسرین طبری نے دونوں آیاتِ کریمہ کی تفسیر وتعبیر کا جو نہج مقرر کیا تھا متاخرین نے اس کی تقلید کی ہے۔ ان کے ہاں کوئی نئی بات نہیں ملتی۔ البتہ قدیم وجدید اور معاصر مفسرین میں کئی اہم اور صاحبِ تدبر اہلِ قلم ہیں جنھوں نے غور وفکر

---

[1] جامع البیان۔ مرتبہ محمود احمد شاکر، دار المعارف قاہرہ ۱۳۷۴ھ جلد ۱۴ صفحہ ۵۸-۵۰

کے بعد اپنی نئی راہ نکالی ہے۔ اس نکتہ پر مفصل و مدلل بحث و تجزیہ و تحلیل کی فصل میں آئے گی۔ سر دست ہم متاخرین کے ان اہم تفسیری نکات کا ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے امام ابن جریر کی تقلید میں یا ان کے زیر اثر پیش کیے ہیں۔

امام جصاص (ابوبکر احمد بن علی رازی حنفی ۳۰۵-۳۷۰ھ / ۹۱۷-۸۱ء) نے چونکہ احکام کے نقطۂ نظر سے تفسیر کی ہے اس لیے انھوں نے سورہ انفال کی آیت ۶۵ کے حوالہ سے پہلے آیات ۶۶-۶۵ پر مختصراً کلام کیا ہے کہ اگر تین گنے دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ان کے لیے مسلمانوں کی کسی دوسری جماعت مقاتل کی طرف گریز جائز ہے۔ پھر ان دونوں آیات کریمہ پر خاصی مفصل بحث کی ہے جس کے بنیادی نکات یہ ہیں: ابن عباس کی روایت کی بنا پر اس سے مقابلہ و مقاتلہ فرض تھا جو شاق ہوا تو آیت تخفیف کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔ ابن عباس کا قول ہے کہ جو شخص تین گنا دشمن سے فراری ہوا وہ مجرم نہیں ہے لیکن جس نے دوگنے کو پیٹھ دکھائی وہ فراری ہے۔ پہلے دس گنے سے مقابلہ فرض تھا بعد میں جب ایسے لوگ مسلمانوں میں شامل ہو گئے جن کی بصارت و نیات وہ نہ تھے جو پہلے کے لوگوں کے تھے، تو سب سے تخفیف کر کے دو سے مقابلہ کو ایک اصول بنا دیا۔ ضعف سے مراد صرف قویٰ اور ابدان کی کمزوری نہیں بلکہ دشمن سے جنگ کرنے میں نیت کی کمزوری مراد ہے۔ اس طرح سب کا فرض ان کے کمزوروں کا فرض بنا دیا (فجعل فرض الجمیع فرض ضعفائھم) ایسا حضرت ابن مسعود سے بھی منقول ہے۔ یہ آیت ان لوگوں کے خیال کی تردید کرتی ہے جو شریعت نبوی اسلامی میں نسخ کے وجود کے منکر ہیں۔ کیونکہ تخفیف فرض اول کے کسی حصہ کے زوال کے بغیر ممکن نہیں۔ منکرین نسخ کا خیال باطل ہے کہ آیت کریمہ میں امر نہیں، اس میں تو ایک شرط کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ جب بھی یہ شرط پوری ہو گی وعدہ بھی پورا ہو گا۔ ہر قوم کو صرف صبر کا مکلف کیا گیا ہے اور وہ بھی ان کے حسب استطاعت۔ لہٰذا متقدمین (اولین) میں سے بیس کو جو دو سو سے مقابلہ کا حکم دیا گیا وہ ان کے صبر و بصیرت کے نفاذ کے سبب دیا گیا اور دوسروں کو چونکہ وہ بصیرت حاصل نہ تھی اس لیے دو چند سے مقابلہ کا مکلف کیا گیا۔ پھر دو سو کے مقابل بیس کا مقابلہ و مقاومت فرض نہ تھی (غیر مفروضۃ) اسی دو سو کے مقابلہ میں سو کا قتال بھی

فرض نہیں۔ کیونکہ بقدر امکان صرف خیر فرض ہے اور لوگوں کو اس میں مختلف استطاعت ملی ہے۔ لہٰذا آیت میں نسخ نہیں ہے۔ امام جصاص نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کلام میں سخت خلل و تناقض پایا جاتا ہے جو امت کے سلف و خلف کے قول سے خارج ہے۔ کیونکہ اہل النقل والمفسرون کے درمیان اس میں اختلاف نہیں کہ اول اسلام میں اس سے مقاومت فرض تھی۔ جیسا کہ آیت ۶۵ میں ہے کیونکہ اس کے الفاظ خبر یہ ہونے کے باوجود امر کے معنی میں ہیں۔ جیسے رضاعت اولاد اور طلاق شدہ عورتوں کے بارے میں حکم ہے۔ اس آیت میں بھی خبر نہیں امر ہے کہ دو چند سے فرار اختیار نہ کرے۔ اگر خبر ہوتی تو تخفیف نہ آتی کیونکہ تخفیف امر (الماموربہ) میں ہوتی نہ کہ خبر میں اور چونکہ دو چند سے مقابلہ کا حکم پانے بھی اس آیت تخفیف میں شامل و داخل ہیں۔ لہٰذا لامحالہ نسخ موجود ہوگا۔ قائل کا یہ کہنا کہ دوسری آیت سے بعض تکلیف (حکم) کا زائل ہونا تو نسخ ہے[1]

امام زمخشری (ابوالقاسم محمود بن عمر جار اللہ، معتزلی خوارزمی ۴۶۷-۵۳۸ھ/۱۰۷۵-۱۱۴۴ء) اس مکتب فکر کے ایک اہم ترجمان ہیں۔ وہ چھٹی / بارہویں صدی کے امام تفسیر ہی نہیں بلکہ فن تفسیر اسلامی کے آفاقی امام سمجھے جاتے ہیں۔ تحریض کے معنی برانگیختہ کرنے میں مبالغہ کرنے اور فقہ کے معنی ثواب طلب کرنے کے بیان کرنے کے بعد ابن جریج کی روایت نقل کرتے ہیں جس کے مطابق دس کے مقابلہ میں فرار کو ناجائز اور ثبات کو واجب بتاتے ہیں اور بطور تاریخی استشہاد حضرت حمزہ کے سریہ اور اس کے بالمقابل ابوجہل مخزومی کے لشکر کی عددی نسبت تیس اور تین سو بیان کرتے ہیں۔ ان کا دوسری آیت کریمہ کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اول حکم شاق ہوا تو ایک "طویل مدت" کے بعد دوسری آیت کریمہ کے ذریعہ تخفیف کر دی گئی اور اب صرف دوگنی تعداد اعداء سے مقابلہ کا حکم دیا گیا۔ "ضعف" کی پیش و زیر کے ساتھ دونوں قراءتوں کو صحیح مانا ہے اور اس سے ضعف بدنی مراد لیا ہے۔ "قیل" کے لفظ سے بصیرت و استقامت کا ضعف بھی مراد لینا بتایا ہے مگر دونوں تناسبوں میں حالِ

---

[1] احکام القرآن، الترام عبدالرحمٰن محمد، مطبعہ بہیہ مصریہ ۱۳۴۷ھ سوم ص ۸۲ اور ص ۸۸-۸۷

مقاؤمت میں کسی فرق کے ہونے سے انکار کیا ہے۔ حاصل تفسیر یہ ہے کہ اول حکم منسوخ ہے اور دوم برقرار اور جاری[۱]۔

شافعی مفسر و محدث امام بغوی (ابو محمد حسین بن مسعود الفراء م ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء) نے امام زمخشری کی مانند نقطۂ نظر پیش کیا ہے جو مختصراً یہ ہے کہ وہ اول آیت کو دوسری آیت سے منسوخ مانتے ہیں[۲]۔

امام ابن الجوزی (عبدالرحمٰن بن علی قرشی بغدادی ۵۰۸-۵۹۷ھ / ۱۱۱۱-۱۲۰۰ء) نے بعض نکات نئے ضرور پیش کیے ہیں مگر ان کا بنیادی خیال یہی ہے کہ اول حکم دوسری آیت سے منسوخ ہے اور اب دوسرا حکم یعنی ڈیوچند کا مقابلہ واجب ہے لیکن اگر دشمن اس سے زیادہ ہو تو فرار جائز ہے "ان یکن مائۃ" وغیرہ الفاظ کی قرارت علماء سے بحث کی ہے ان میں سے ایک اہم اضافہ یہ ہے کہ امام المفضل نے عَلِمَ کو مجہول عُلِمَ بھی پڑھا ہے جبکہ دوسروں کے نزدیک وہ معروف ہے[۳]۔

ساتویں/تیرہویں صدی کے امام تفسیر قاضی بیضاوی شافعی (عبداللہ بن عمر شیرازی م ۶۸۵ھ / ۱۲۸۶ء) نے اپنے محور و مرکز کشاف کی پوری پیروی کی ہے کہ دونوں آیاتِ کریمہ کے الفاظ کو خبریہ دیکھنے کے بعد بھی ان کو بمعنی امر لیا ہے۔ وہ امر مصابرہ قرار دے کر دونوں آیات کی تشریح کرتے ہیں مگر صرف تخفیف کی بات کہتے ہیں نسخ کا ذکر نہیں لاتے[۴]۔

امام نسفی (ابوالبرکات عبداللہ بن احمد حنفی م ۷۰۱ھ / ۱۳۰۱ء) نے اولین آیت کو بشارت قرار دیا ہے۔ فقہ سے مراد بصیرت لی ہے اور اول آیت کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ مانا ہے۔ ضعف سے مراد بقول عاصم و حمزہ ضعف بدنی بتایا ہے[۵]۔

۱۔ الکشاف، مطبعۃ استقامہ، قاہرہ ۱۹۵۳ء دوم ص ۸۲-۱۸۳

۲۔ معالم التنزیل فی التفسیر برحاشیہ تفسیر الخازن مطبعہ التقدم مصر غیر مورخہ جلد سوم ص ۴۰

۳۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء سوم ص ۹-۳۷۷

۴۔ تفسیر بیضاوی / انوار التنزیل واسرار التاویل مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۳۰۵ھ ص ۴۵-۲۴۴

۵۔ تفسیر نسفی / مدارک التنزیل وحقائق التاویل برحاشیہ تفسیر خازن محولہ زیریں۔

امام خازن (علی بن محمد شافعی ۶۷۸-۷۴۱ھ / ۱۲۷۹-۱۳۴۰ء) نے پہلی آیت کے الفاظ کو خبر یہ مگر معنی کے لحاظ سے امر بتایا ہے گویا اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اگر تم میں بیس شخص ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ ثابت قدم رہیں اور اپنے دشمنوں سے قتال میں پوری جد وجہد کریں تا آنکہ دوسو پر غالب آجائیں۔ اس آیت کے امر ہونے کا ایک قرینہ یہ ہے کہ نسخ اخبار پر صادق نہیں آتا امر ہی پر آتا ہے۔ لہٰذا دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مومن کا ثابت قدم رہنا واجب ہے۔ فقہ سے طلب ثواب اور خوفِ عقاب مراد ہے۔ ادل حکم بدر کے لیے تھا جو دوسری آیت سے منسوخ ہوگیا۔ اس کے لیے انھوں نے حضرت ابن عباس کی روایت بخاری نقل کی ہے جس میں شاق ہونے پر تخفیف کا ذکر کیا گیا ہے[۱]۔

امام ابن کثیر (ابوالفدا، عماد الدین اسماعیل بن عمر دمشقی شافعی ۷۰۱-۷۷۴ھ / ۱۳۰۱-۱۳۷۳ء) تحریض کے معنی اور اس آیت کی شانِ نزول کی روایات سے بحث کرنے کے بعد پہلی آیت کو امر و بشارت کے معنی میں لیا ہے پھر امر کے منسوخ ہونے اور بشارت کے باقی رہنے کی بات کہی ہے۔ دوسری آیت — آیتِ تخفیف — میں تعدادِ دشمن کے ساتھ اسی کے بقدر صبر کی تخفیف بھی ہوگئی۔ جیسا کہ ابن المبارک کی روایت بخاری میں ہے۔ دو چند سے فرار جائز نہیں مگر قتال بھی واجب نہیں کہ حکمت علمی کے سبب گریز کی اجازت ہے پہلی منسوخ اور دوسری ناسخ ہے جیسا کہ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ اسی معنی کی روایات علی بن ابی طلحہ، عوفی، مجاہد، عکرمہ حسن، زید بن اسلم، عطا خراسانی اور ضحاک سے نقل ہیں۔ انھوں نے حافظ ابن مردویہ (احمد بن موسیٰ ۳۲۳-۴۱۰ھ / ۹۳۰-۱۰۳۵ء) کی ایک روایت بیس اور دوسو کی نسبت حضرت ابن عمرؓ سے یہ نقل کی ہے کہ وہ ہم صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے امام حاکم کی مستدرک سے بھی ایک ایسی روایت کا حوالہ دیا ہے جو مرفوع ہے مگر شیخین کے ہاں نہیں ہے[۲]۔

---

[۱] لباب التاویل فی معانی التنزیل / تفسیر خازن۔ مکتبہ شیخ احمد علی ملیجی، مصر، غیر مورخہ جلد دوم ص ۱۹۳

[۲] تفسیر القرآن العظیم، عیسی البابی الحلبی مصر، غیر مورخہ دوم ص ۳۲۴ ، ۳۲۵

امامین جلالین (جلال الدین محلی م ۸۶۴-۷۹۱ھ / ۱۴۵۹-۱۳۸۹ء وجلال الدین سیوطی ۹۱۱-۸۴۹ھ / ۱۵۰۵-۱۴۴۵ء) کی تفسیر مشترک کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ دونوں آیاتِ کریمہ کے خبریہ الفاظ امر کے معنی میں ہیں اور جب کثرت ہوگئی تو نسخ اول حکم منسوخ اور دوم باقی ہے[1]

امام سیوطی نے اپنی تفسیر ماثور میں یہی نقطۂ نظر اختیار کیا ہے[2]

جلالین کے ایک شارح علامہ سلیمان بن عمر عجیلی شافعی (م ۱۲۰۴-۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۹-۱۷۸۱ء) نے اپنے شیخ کے علاوہ بیضاوی، شہاب، خطیب اور ابوالسعود کی تفسیریں نقل کر کے خود کچھ نہیں کہا ہے[3]

دسویں/سولہویں صدی کے امام تفسیر خطیب شربینی (محمد بن محمد قاہری شافعی ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء) نے دونوں آیاتِ کریمہ کے خبریہ الفاظ کو امر کے معنی میں لیا ہے۔ انھوں نے امام رازی کی بہت سی روایات و مباحث لیے ہیں اور امام قرطبی سے بھی خاصا استفادہ کیا ہے۔ ان کی تفسیر و تاویل کا خلاصہ یہی ہے کہ وہ دہ چند ہو یا دو چند فرار جائز نہیں۔ اور حکم دوسری آیت سے منسوخ ہے[4]

بارہویں/اٹھارویں صدی کے ایک عظیم ہندی فقیہ مفسر ملا جیون امیٹھوی (احمد بن ابوسعید م ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۸ء) نے امام طبری کی تلخیص پیش کر کے ان کی پیروی کی ہے اور اولاً آیت کریمہ کے حکم کو دوسری آیت کریمہ سے منسوخ مانا ہے[5]

اسی دور کے عظیم ترین ہندی عالم و مفسر شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۶-۱۱۱۴ھ / ۱۷۶۲-۱۷۰۲ء) نے یہی نقطۂ نظر پیش کیا ہے: "مترجم گوید: 'چوں ایں آیت نازل شد، واجب گشت ثبات با دہ چنداں از کفار، بعد ازاں منسوخ شد بوجوب ثبات در مقابلۂ دو چنداں۔ واللہ اعلم'[6]

---

[1] جلالین، مطبع میمنیہ مصر غیر مورخہ ص ۹۶-۹۵

[2] الدر المنثور فی التفسیر الماثور، المکتبۃ الاسلامیۃ طہران جلد سوم ص ۲۰۱-۲۰۰

[3] الفتوحات الالٰہیہ بتوضیح الجلالین، عیسی البابی، مصر، دوم ص ۲۵۶

[4] السراج المنیر، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ غیر مورخہ اول ص ۵۸۲

[5] تفسیرات احمدیہ، جید برقی پریس، دہلی غیر مورخہ اول ص ۲۵۵

[6] فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن، تاج کمپنی کراچی، لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۲۴

ان کے جلیل القدر فرزند شاہ عبدالقادر دہلوی (۱۱۶۷-۱۲۳۰ھ / ۱۷۵۳-۱۸۱۵ء) نے اس کو اردو میں یوں پیش فرمایا ہے "یقین نہیں رکھتے اللہ پر، اور ثواب پر، اور جس کو یقین ہے وہ موت پر دلیر ہے"۔ عددی تناسب کے بارے میں ان کا ارشاد ہے۔ "اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے۔ ان پر حکم ہوا تھا کہ آپ دس برابر کافروں پر جہاد کریں۔ پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دو برابر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے۔ لیکن اگر دو سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت کے وقت میں ہزار مسلمان اسّی ہزار سے لڑے ہیں"[1]

شاہ ولی اللہ دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں کے ایک جلیل القدر شاگرد قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری نقش بندی (۱۱۴۳-۱۲۲۵ھ / ۱۷۳۰-۱۸۱۰ء) نے آیتِ اولیٰ میں ایک مومن کے دس گنی دشمن طاقت سے مقابلہ کرنے یا ان کے سامنے سے فرار نہ ہونے کا ذکر کیا ہے اور دوسری آیت میں دو چند کے مقابلہ میں۔ شاق و ثقیل ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں سے یہ ذمہ داری کم کر دی۔ تحریض، قرارت وغیرہ کے بارے میں وہ بھی متقدمین کے پیرو ہیں[2]۔

علامہ آلوسی (محمود آفندی عراقی شافعی ۱۲۱۷-۱۲۷۰ھ / ۱۸۰۲-۵۳ء) نے دونوں آیات کے الفاظ کو خبریہ بمعنی امر و انشاء لیا ہے اور امام زمخشری کا خیال نقل کیا ہے کہ وہ وعدہ و بشارت الٰہی ہے۔ اول آیت دوسری سے منسوخ ہے۔ فقہ سے مراد یوم آخرت کا ثواب ہے۔ مومن جہاد کرتا ہے امرِ الٰہی سے اور کافر حمیت جاہلی کی بنا پر۔ تخفیف کے لیے حضرت ابن عباس کی روایت کے علاوہ دوسرے احکامِ شرعی میں تخفیف کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ان کا ایک صریحی بیان یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اول آیت منسوخ اور دوسری ناسخ ہے۔ ضعف سے بدنی کمزوری اور بصیرت و استقامت کا ضعف دونوں مراد ہے۔ پھر بعض مفسرین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کثرتِ تعداد توکل علی اللہ میں ضعف کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ غزوۂ حنین میں ہوا اور قلتِ تعداد توکل میں

---

[1] موضح قرآن۔ تاج کمپنی لاہور ص ۳۰۳-۳۰۴

[2] التفسیر المظہری، ندوۃ المصنفین دہلی غیر مورخہ جلد چہارم ص ۱۱۰-۱۱۱

اضافہ کا جیسا کہ غزوۂ بدر میں ثابت ہوا۔[1]

مشہور ہندوستانی مفسر عبدالحق حقانی دہلوی بھی اسی مشہور خیال کے قائل ہیں کہ "ابتدائے اسلام میں خصوصاً بدر کی جنگ تک اپنے سے دہ چند کفار سے مقابلہ کرنے کا حکم باقی رہ گیا۔[2]

دور جدید کے معاصر مفسرین کرام میں متعدد بزرگوں نے امام طبری کی تقلید کی ہے۔ ان کے سرخیل مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲-۱۲۸۰ھ / ۱۹۴۳-۱۸۶۳ء) فرماتے ہیں: "ہر چند کہ یہاں لفظاً صیغۂ خبر کا ہے کہ اتنے آدمی اتنوں پر غالب آجاویں گے لیکن مقصود خبر نہیں بلکہ انشاء اور امر ہے۔ یعنی قرار واجب اور فرار حرام ہے۔ اور بعنوان خبر تعبیر کرنے میں بطور کنایہ کے مبالغہ اور تاکید ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسا غلبہ کی خبر یقینی ہونے پر ثبات واجب ہونا چاہیے اسی طرح اب واجب ہے پس مدلول لفظی یعنی خبر مقصود ہی نہیں تو اس پر صدق و کذب کا شبہ واقع نہیں ہو سکتا کہ بعض اوقات ہم اس غلبہ کو منتفی دیکھتے ہیں۔ وجہ دفع یہ ہے کہ کنایہ میں انتقال ملزوم سے لازم کی طرف ہوتا ہے اور مقصود لازم ہوتا ہے اور ملزوم غیر مقصود، اور غیر مقصود پر صدق و کذب متوجہ نہیں ہوتا۔ خوب سمجھ لو اگرچہ یہاں خود ملزوم فی نفسہ صادق ہے اس لیے کہ "یغلبوا باذن اللہ" کے ساتھ مقید ہے۔ پس اگر کسی حکمت کی وجہ سے اذن نہ ہوگا تو غلبہ بھی نہ ہوگا اور ضعف کی وجہ احقر کے نزدیک یہ ہے کہ یہ قاعدۂ طبعی ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوتے ہیں اور کام ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت ہمت زیادہ ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ میرے ہی کرنے سے ہوگا اور جب کام کرنے والے بڑھ جاتے ہیں تو ہر شخص کو خیال ہوتا ہے کہ کیا مجھی پر منحصر ہے اور بھی تو کام کرنے والے ہیں۔ سب مل کر کیوں نہیں کرتے۔ اس لیے جوش اور گرمی میں کمی ہو جاتی ہے۔ پس اس لیے ابتدا اسلام میں مثلاً بدر میں ہمت کی اور حالت تھی۔ جب ماشاء اللہ مردم شماری بڑھی تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا۔ چنانچہ در منثور میں بعض سلف سے اس پہلے حکم کا در بارہ بدر کے ہونا اور دوسرے کا بعد

---

[1] روح المعانی، طبع منیریہ، مصر، غیر مورخہ جلد دہم ص ۲۹-۲۸

[2] تفسیر حقانی / تفسیر فتح المنان، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی غیر مورخہ دوم ص ۴۷۶

کے لیے ہونا منقول ہے اور یہ ایک امر طبعی ہے۔ پس صحابہ پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے ملکاتِ باطنہ تو روزانہ رو بہ ترقی تھے اور اس سے انحطاط کا شبہ ہوتا ہے[1]

مفتی محمد شفیع مرحوم (سنہ ۱۳۱۴-۹۷ھ / ۱۸۹۶-۱۹۷۶ء) نے پوری طرح امام طبری اور مولانا تھانوی کی پیروی کی ہے (معارف القرآن، مکتبہ مصطفائیہ دیوبند غیر مورخہ چہارم ص۲۷۶-۲۸۰) مولانا تھانوی کے دوسرے مرید مفسر مولانا عبدالماجد دریابادی (سنہ ۱۳۱۰-۹۸ھ / ۱۸۹۲-۱۹۷۷ء) نے خبر وامر کی حد تک تو ان کی پیروی کی ہے مگر بعض اہم پہلوؤں سے اختلاف بھی کیا ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (سنہ ۱۳۰۵-۶۹ھ / ۱۸۸۷-۱۹۴۹ء) نے مولانا تھانوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی اور امام طبری کی پیروی کی ہے کہ قرار نہ اختیار کریں۔ "بیسؔ اور سوؔ دو عدد شاید اس لیے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے "سریہ" کم از کم بیسؔ اور "جیش" میں ایک سوؔ سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اس لیے سریہ کم از کم ایک سوؔ کا اور جیش ایک ہزار کا ہوگا۔ دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا یہ تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی"۔ تخفیف کی توجیہ مولانا عثمانی نے صحیح بخاری کی روایت ابن عباس کے حوالہ سے کی ہے کہ اول حکم شاق ہوا تو دوسرا حکم تخفیف آیا پھر مسلمانوں کی کمزوری اور سستی بھی ایک وجہ تھی۔ انھوں نے بعض دوسری وجوہ بھی بیان کی ہیں "ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قیادت وجلادت معلوم تھی۔ کچھ مدت کے بعد ان کے بہت سے افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جونئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور توکل علی اللہ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی"۔ مولانا عثمانی نے قلت میں جوشِ عمل کی زیادتی اور کثرت میں اس کی کمی کا خیال اپنے پیشروؤں بالخصوص مولانا تھانوی سے اور ایک ہزار کا اسی ہزار سے مقابلہ کا خیال شاہ عبدالقادر سے لیا ہے[2]

---

[1] بیان القرآن، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سنہ ۱۳۷۳ھ جلد چہارم ص۸۸-۸۹

[2] موضح القرآن، شیخ الہند وتفسیر عثمانی، مدینہ منورہ سنہ ۱۹۹۳ء ص۲۴۵
۲۶۸

صاحبِ تدبرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نور اللہ مرقدہ (۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء - ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) نے تحریض کے معانی بیان کرنے کے بعد عددی تناسب فریقین کے مسئلہ پر ارشاد کیا ہے کہ "ہر چند تمہارے ساتھیوں کی تعداد با عتبار کمیت تھوڑی ہے لیکن با عتبار کیفیت بہت ہے۔ تمہارے بیس ثابت قدم مسلمان کفار کے دو سو آدمیوں پر اور تمہارے سو آدمی ان کے ہزار آدمیوں پر بھاری ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ساتھیوں کو اللہ نے بصیرت ایمانی سے نوازا ہے اور تمہارے حریف اس بصیرت سے محروم ہیں...... اَلْئٰنَ کا لفظ یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ آیت اوپر کی آیات کے بہت بعد اس دور میں نازل ہوئی ہے جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔ چنانچہ دونوں میں تقابل کی نسبت بھی مختلف ہے.... یہ بھی قرینہ ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کی کثرت کے دور کی آیت ہے اس کا تعلق چونکہ اسی مضمون سے تھا اس وجہ سے ترتیب میں اس کو یہیں جگہ ملی۔ قرآن میں نظم کے اعتبار کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔" صاحبِ تدبر نے مزید دو وجوہ سے بحث کی ہے: "یہ بات.... وارد تو ہوئی ہے بشارت کے سیاق میں لیکن اس نے مسلمانوں پر ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی تھی.... بعد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو یہ بوجھ اللہ تعالیٰ نے ہلکا کر دیا.... سابقون الاولون کے کندھے کے زیادہ بوجھ کو متاخر مسلمانوں پر ڈال دیا جائے۔ متاخر مسلمان بصیرت وعزیمت کے اعتبار سے سابقون الاولون کے ہم پایہ نہیں تھے.... ان کی ذمہ داری بھی کم رکھی..... اس کا اشارہ "علم ان فیکم ضعفا" سے نکلتا ہے ضعف.... جسمانی اور مادی کمزوری کے لیے نہیں آتا بلکہ عزم وارادہ اور معرفت وبصیرت کے ضعف کے لیے بھی آتا ہے.... اسباب و وسائل جس رفتار سے بڑھتے جاتے ہیں خدا کی براہِ راست مدد اسی نسبت سے کم ہوتی جاتی ہے..... اصل قوت ایمان کی قوت ہے دوسری چیزیں سب اس کے توابع میں سے ہیں [1]

دوسرا مکتبِ فکر

اولیں اسلامی صدیوں سے موجودہ عہد کی نمائندہ تفاسیر کا صدی بہ صدی جائزہ

[1] تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۰ء سوم ص ۵۰۵-۵۰۶

لینے سے ایسا تاثر ابھرتا ہے کہ پہلے عام و مشہور مکتبِ فکر کا نقطۂ نظر اور اس کی تشریح و تفسیر جمہور علمائے امت کے اتفاق و اجماع پر مبنی ہے اور جو کچھ اس سے مختلف کہا گیا ہے وہ کوئی شاذ و نادر قول ہے جو شاہراہِ مستقیم اور جادۂ اجماع سے ہٹا ہوا ہے۔ علامہ آلوسی نے تو اول تفسیر کو جمہور کا قول و عمل بھی بتا دیا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا ہے نہیں۔ سورۂ انفال کی ان آیاتِ کریمہ کی ایک اور مدلل و مفصل تشریح اور محکم و متفقہ تفسیر ملتی ہے جو قدیم سے جدید تک برابر نسل بہ نسل منتقل ہوتی رہی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس کے بعض علمبرداروں اور ان کی تفسیر ہماری دسترس میں نہیں آئی یا ہمارے فہم و ادراک سے نکل گئی۔ اس کا ایک تجزیہ ضروری ہے۔

ہماری ابھی تک کی دستیاب معلومات کے مطابق امام المفسرین طبری کے ایک متاخر معاصر امام ابومسلم محمد بن بحر اصفہانی (م ۳۲۲ھ/۹۳۴ء) نے اپنے عہد میں دوسرے مکتبِ فکر کی نمائندگی کی تھی۔ اس کی اولین داغ بیل کس نے ڈالی تھی کہنا مشکل ہے کہ اوپر کی تفاسیر یا تفسیری روایات کا سراغ کم ہی ملتا ہے اور ان میں ہمارے زیرِ مطالعہ آیات کریمہ سے تعرض و اعتنا، اور بھی کم ملتا ہے۔ چونکہ امام اصفہانی کا نقطۂ نظر ایک دوسرے امام المفسرین امام رازی (فخرالدین محمد بن عمر شافعی ۵۴۳-۶۰۶ھ/۱۱۴۸-۱۲۰۹ء) نے اپنی تفسیر میں نہ صرف خوبصورتی سے پیش کیا ہے بلکہ اسی کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اس لیے دوسرا نقطۂ نظر انھیں کے الفاظ کی ترجمانی میں پیش کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں تکرار سے اجتناب ہے۔ بہترین ترجمانی ہے اور سب سے بڑھ کر امامین ہمامین کے اتفاق کی جھلک اور ثبوت ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ کے شرف و دیانت کی بات ہے کہ انھوں نے پہلے نقطۂ نظر کی تفسیر کی ترجمانی بھی کی ہے بلکہ اسی سے کلام کا آغاز کیا ہے۔ تحریض کے معنی تخصیص کے بتانے کے بعد اس کی تشریح کی ہے اور امام الزجاج کے قول سے استدلال و استشہاد کیا ہے۔ آیاتِ کریمہ کے الفاظ کو خبر یہ تسلیم کرنے کے بعد اس سے مراد امر لیا ہے۔ پھر تین وجوہِ امر سے بحث کی ہے۔ اول دو سو پر بیس کے غلبہ کا امکان ہے، دوم تخفیف میں نسخ امر میں ہوتا ہے نہ کہ خبر میں۔ سوم واللہ مع الصابرین بھی خبر کی بجائے امر ہے۔ امام موصوف نے اس کے بعد اس کے مسائل سے کلام کیا ہے: حکم کا وجوب صبر کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔

صبر کے معانی میں جسمانی قوت شامل ہے، مقابلہ یا عدم فرار یا حکم مقاتلہ میں اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (انفال ع۱۶) مگر یہ (سوائے اس کے) کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا، یا جا ملتا ہو فوج میں (شاہ دہلوی) کا استثناء ہے۔ کیونکہ یہ تکلیف شرعی (قانونی) صرف حسن/ پسندیدہ ہے جیسا کہ دو مزید آیاتِ کریمہ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (بقرہ ع۲۳۳: اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو دو برس پورے (ترجمہ شیخ الہند) والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء (بقرہ ع۲۲۸) اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک (ترجمہ شیخ الہند) میں تکلیفِ حسن پائی جاتی ہے۔ بیس اور سو کا ذکر عہد نبوی کے واقعہ کے مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرایا بھیجا کرتے تھے جن میں بیشتر کی عددی طاقت بیس سے کم ہوتی اور کبھی کبھی سو سے زائد ہوتی تھی۔ لہٰذا اس معنی میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں "عددوں" کا ذکر کیا ہے۔

چوتھا مسئلہ غلبہ اور اس کی وضاحت/تبیین سے متعلق ہے: اس کی اصل بنیاد "بانھم قوم لا یفقھون" ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ (۱) دنیا و آخرت میں ثواب و اجر کی توقع اور دنیا پر آخرت کی ترجیح (۲) کافروں کا مدار کلی قوت و شوکت پر ہوتا ہے جبکہ مسلم کا دعا و تضرع پر اور اسی سے نصر و ظفر مل سکتی ہے۔ (۳) ریاضات و رکاشفات والوں پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ صاحب علم و معرفت شخص کا رعب داب تمام مخلوق پر قائم ہو جاتا ہے اور وہ مخلوقاتِ عالم کے نزدیک ہیبت و جلال والا بن جاتا ہے۔ امام صاحب نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔

"الٰئن خفف اللّٰہ" کے تعلق سے امام موصوف نے کئی مسائل پر کلام کیا ہے اور کم از کم دو سرایائے حمزہ و عبداللہ بن انیس کا حوالہ دے کر ان کی عددی قوت سے بحث کی ہے کہ کم از کم اول الذکر میں ایک دس۔ تیس اور تین سو کا تناسب تھا اول تکلیف کے شاق ہونے اور دوسری آیت کے ذریعہ اس کے ازالہ کرنے سے بحث کرتے ہوئے حضرت ابن عباس کی ایک نئی روایت بیان کی ہے جس میں مہاجرین کے فقر و ناداری اور انصار کی تجارتی/زرعی مشغولیت و خاطر داری مہمانان کا حوالہ ہے۔ حضرت عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں دس اور سو کے مقابلہ میں قلت و کثرت کے سبب تخفیف کا ذکر کیا ہے۔ پھر جمہور کے اس دعویٰ کا بیان ہے کہ آیت تخفیف اول الذکر آیت کو نسخ کرتی ہے۔

امام رازی نے اول نقطۂ نظر خوب تفصیل سے پیش کیا ہے اور نسخ کے دعوائے جمہور سے متعلق امام ابو مسلم اصفہانی کا نقطۂ نظر زیر بحث لاتے ہیں کہ امام اصفہانی نے اس نسخ کا انکار کیا ہے۔ ان کے دلائل دیتے ہوئے ان کی تقریر کو پیش کرتے ہیں کہ "ہم اس خبر کو امر پر محمول کرتے ہیں مگر یہ امر مشروط ہے کہ بیس دو سو کے مقابلہ میں صبر کرنے پر پوری طرح قادر ہوں ..... ارشادِ الٰہی "الئن خفف اللہ الخ" اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شرط ان لوگوں کے حق میں حاصل نہ تھی۔ لہٰذا حاصلِ کلام یہ ہوا کہ اول آیتِ کریمہ ایک مخصوص شرط کی موجودگی میں ہی ایک حکم کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے اور یہ آیت اس حقیقت پر دلالت کر رہی ہے کہ وہ شرط (مخصوص) اس جماعت (بیس[۲]) کے حق میں مفقود ہے لہٰذا بلا شک و شبہ یہ حکم ثابت نہیں ہوا۔ اس صورت میں نسخ تو بالکل ہی نہیں حاصل ہو سکتا۔ امام اصفہانی نے اولین نقطۂ نظر کے حاملین (نسخ) کا ایک اعتراض نقل کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیتے ہوئے آیتِ تخفیف میں ان کے نقطۂ نظر کی تردید کی ہے۔ مزید فرماتے ہیں: "ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ تخفیف کا لفظ اس سے قبل تثقیل کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ عربوں کی عادت ہے کہ ایسا کلام کسی رخصت کے موقع پر بھی بولتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو باندی سے ایک آزاد مرد مسلم کے نکاح کرنے کی رخصت سے متعلق ہے: ویرید اللہ ان یخفف عنکم .... (النساء:۲۸) اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔ (شاہ عبد القادر دہلوی) اور یہاں یہ نسخ قطعی نہیں ہے بلکہ ایک مطلق حکم ہے کہ جو شخص آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا وہ باندی سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا سورۂ انفال کی اول آیت آیتِ ثانی کی مقارن ہے اور دوسری پہلی کی۔"

امام رازی پہلے مکتبِ فکر کا اعتراض نقل کرتے ہیں "اگر وہ یہ کہیں کہ امام ابو مسلم اصفہانی قرآنِ کریم میں ہر طرح کے نسخ کا انکار کرتے ہیں لہٰذا ان کی تفسیر و تاویل آیات اسی کے مطابق ہے اور اس کی بنا پر ایسا کیونکر کہا جا سکتا ہے؟" امام رازی اپنا نقطۂ نظر بیان فرماتے ہیں "اگر ابو مسلم سے پہلے اس نسخ کے نقطۂ نظر پر اجماع ثابت ہو جائے تو پھر تو کوئی کلام و بحث نہیں ممکن ہے۔ لیکن اگر ایسا اجماعِ قاطع موجود نہیں تو ہم کہیں گے کہ ابو مسلم کا قول صحیح بھی ہے اور حسن بھی۔ امام رازی نے یہ ساری بحث مسئلہ اول کے تحت کی ہے۔

دوسرے مسائل کے تحت ہشام کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم ان کے وقوع سے قبل نہیں ہوتا۔ ضعف کی دونوں قراءتوں کا مقارنہ مکث کی دونوں قراءتوں سے کیا ہے، مشرکین کے مقابلہ میں ہر مسلم بالغ مکلف پر جہاد کی فرضیت کا ذکر کیا ہے اور غزوۂ موتہ کے تین ہزار اور دو لاکھ کا تناسب بیان کیا ہے۔ "باذن اللہ" کے تحت عمدہ بات کہی ہے۔ کہ غلبہ کا حکم صبر کے ساتھ مشروط ہے اور اذن الٰہی بھی صبر کے ساتھ مقید یا اس کا ملزوم ہے اور یہ ابومسلم کے مذہب کی صحت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ حکم (اول) منسوخ نہیں ہوا بلکہ پہلے کی طرح اب بھی ثابت وقائم ہے (ان ذٰلک الحکم ما صار منسوخا، بل ھو ثابت کما کان، فان العشرین اِن قدروا علی مصابرة المائتین بقی ذٰلک الحکم، وان لم یقدروا علی مصابرتہم فالحکم المذکور ھناك زائل)[1]

امام ابومسلم اصفہانی اور امام رازی کے درمیان دو صدیوں سے زیادہ کی علمی مسافت اور فکری فاصلہ موجود ہے۔ اگرچہ ان دونوں اماموں کے اتفاق و اجماع کی صورت میں درمیانی فاصلے کے دوران دوسرے نقطۂ نظر یا مکتب فکر کے تسلسل کی تاریخ نگاری کی زیادہ ضرورت نہیں رہتی تاہم اس کے بارے میں مزید معلومات اور عہد بہ عہد تحقیقات اس کو مزید مضبوطی، استحکام اور تسلسل عطا کرتی ہیں اور قبولیت کا دائرہ بھی وسیع کرتی ہیں اور درجہ بھی بلند کرتی ہیں۔ کیونکہ بعض قدیم، متوسط اور جدید مفسرین کرام نے نظریۂ نسخ کے متعلق اجماع امت اور اتفاق مفسرین کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

پانچویں/گیارہویں صدی کے امام ماوردی (ابوالحسن علی بن حبیب البصری، ۳۶۴-۴۵۰ھ / ۹۷۴-۱۰۵۸ء) ابھی تک کی معلومات کے مطابق غالباً پہلے مفسر ہیں جنھوں نے سورہ انفال کی ان آیاتِ کریمہ کو دشمن سے مقابلہ و فرار کے حکم والی آیتِ سورہ ۱۵ کے حوالہ سے واضح کیا ہے۔ چنانچہ ۱۵ کے تحت پیٹھ دکھانے میں دو قول بیان کیے ہیں اول دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کے بعد ہزیمت حرام ہے۔ دوم اول اسلام میں ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا تھا کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کے بعد ایک مسلم دس مشرکوں کے سامنے ٹھہرا رہے کہ اب ہزیمت اس کے لیے حلال نہیں جیسا کہ آیت ۶۵ میں بیان ہے۔ پھر

---

[1] مفاتیح الغیب / تفسیر کبیر مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۸ھ جلد ۳، ص ۳۹۴-۹۷ / ۲۷۳

اس آیت کی دو "وجہ" بیان کی ہے: اول مسلمانوں کو اسلام کے حکم الٰہی کا علم نہ تھا دوم انہیں قتال کے اس فرض کا علم نہ تھا۔ پھر ان کی کثرت و شوکت کی بہرہ مندی کے بعد اسے منسوخ کرکے بطور تخفیف و رحمت (آیت ۶۶ میں) ان کو دو مشرکوں کے سامنے ٹھہرنے اور جنگ کرنے کا وجوب کیا گیا ہے۔ ضعف کی قراءات کا ذکر کرکے آیت تخفیف کی دو تاویلات بتاتے ہیں: اول اللہ مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر قتال کے دوران معونت فرماتا ہے دوم ان کی اطاعت کے سبب ان کا عمل قبول کرتا اور ثواب عطا کرتا ہے۔ اگر مصابرہ کی قوت و طاقت ہو تو جب تک فیصلہ نہ ہو جائے انہزام جائز نہیں، مقابلہ واجب ہے۔ لیکن دوگنے سے زیادہ مقابلہ ہو تو ہزیمت کھا کر بھاگنا جائز ہے۔ لیکن اگر دوگنے سے مقابلہ ہو تو صرف دو صورتوں میں میدان جنگ سے ہٹ سکتا ہے جن کا ذکر سورہ کی آیت ۱۵ میں ہے۔ ۶۵-۶۶ کے متعلق حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ وہ چند سے مقابلہ کا حکم غزوۂ بدر کے لیے تھا جب وہ شاق گذرا تو آیت تخفیف سے منسوخ ہو گیا۔ امام ماوردی آخر میں ابن بحر کا قول نقل کرتے ہیں: "اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی دس مشرکین کے مقابلہ میں نصرت فرماتے ہیں (ان اللہ تعالیٰ ینصر کل رجل من المسلمین علی عشرۃ من المشرکین[1])"

اسی عہد کے ایک عظیم ترین عالم و مفسر و صوفی امام قشیری (عبدالکریم بن ہوازن نیشاپوری شافعی ۳۷۶-۴۵۶/۶۵ھ، ۹۸۶-۱۰۶۲/۷۲ء) نے صوفیانہ مذاق کو مدنظر رکھا ہے لیکن ان کی تفسیر بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ ان دونوں آیات کریمہ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ان کے لیے تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ذات گرامی میں اپنی توحید الٰہی کے عقیدہ و یقین کے سبب تمام کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے والے تھے کہ آپ کی تمام قوت اللہ تعالیٰ کے سبب سے تھی جیسا کہ آپ کا فرمان ہے: اللّٰھم بک اصول وبک احول وبک اسیر (اے اللہ تیرے ہی ذریعہ سے میں ــــ ہوں اور تجھی سے طاقت پاتا ہوں اور تیرے ہی سبب چلتا ہوں) اور صحابہ کرام کے لیے آپ کی تحریض بر جنگ و قتال ان کے لیے باعث قوت تھی جس طرح وہ امر الٰہی کے سبب ان کے لیے قوت

---

[1] تفسیر الماوردی / النکت والعیون، تحقیق خضر محمد خضر، کویت ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء دوم ص ۸۹-۹۰ اور ص ۱۱۲
۲۷۴

بن گئی تھی لہٰذا اصحابِ کرام کی قوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر تھی ....آیت تخفیف نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں جس ضعف کو جانا تھا وہ ضعف الاشباح تھا لہٰذا ان سے تخفیف کردی۔ لیکن ان کے دلوں میں ضعف نہیں داخل ہوا تھا۔ کتاب الٰہی میں مذکورہ عذر کے سبب قتال کی ممارست پراسے محمول کرنا چاہیے عوام تو اپنے نفوس وابدان سے مشقتیں برداشت کرتے ہیں جبکہ خواص اپنے قلوب اور ہمتوں سے جیسا کہ مقولہ ہے قلب اسے بھی برداشت کرلیتا ہے جسے بدن نہیں اٹھا سکتا[۱]

مالکی فقیہ ومفسر امام ابن العربی (ابوبکر محمد بن عبداللہ ۴۶۸-۵۴۳ھ) نے ان دونوں آیاتِ کریمہ میں چھ مسائل سے بحث کی ہے عددی تناسب پر تیسرا مسئلہ ہے: یہ خیال کہ دہ چند سے مقابلہ / غلبہ غزوۂ بدر سے متعلق تھا پھر وہ منسوخ ہوگیا، لغزشِ قائل ہے کیونکہ اس غزوہ میں مسلم تین سو سے کچھ اوپر اور غیر مسلم نو سو سے اوپر تھے لہٰذا ایک کا مقابلہ تین سے رہا تھا۔ یہاں تو ایک کا دس سے مقابلہ ہے۔ تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس دورِ نبوی میں مسلمانوں نے اتنی بڑی مشرک تعداد سے جنگ کی ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر پہلے اسی کو فرض کیا اور اس کی توجیہ یہ کی کہ تم فقہ رکھتے ہو یعنی ثواب کی امید میں قتال کرتے ہو اور وہ نہیں۔ پھر اسے منسوخ کردیا گیا۔ ابن عباس کا خیال ہے کہ یہ نسخ ایک طویل مدت کے بعد ہوا اور یہ آیت پہلی آیت کے پہلو میں رکھ دی گئی۔ چوتھے مسئلہ کے تحت تخفیف کے معنی بتائے ہیں کہ اس سے مراد ثقل کی تخفیف / (حط الثقل) ہے۔ باقی بحث علمِ الٰہی سے ہے۔ پانچویں مسئلہ کا تعلق دو چند سے مقابلہ کی فرضیت و وجوب سے ہے ....مگر اسی میں انھوں نے امام مالک کا ایک قول ابن وہب کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص کا مقابلہ دس سے ہو تو اس کے لیے گنجائش (واسع) ہے کہ وہ اپنے لشکرگاہ لوٹ جائے اگر اس کو ان سے قتال کرنے کی قدرت نہ ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کے ثابت قدم رہنے کی اجازت ہے۔ چھٹے مسئلہ میں یہ بحث کی ہے کہ ایک قوم کا یہ قول کہ ایک دس پر حملہ نہ کرے اور نہ کم زیادہ پر کیونکہ اس میں ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔ ہم نے اس قول کا بطلان سورۂ بقرہ (کی متعلقہ آیت کی تفسیر) میں واضح

---

[۱] تفسیر لطائف الاشارات: مرتبہ دکتور ابراہیم لبسیونی، دار الکاتب العربی قاہرہ، غیر مورخہ دوم ص ۳۳۲-۳۳۳

کیا ہے۔ امام مالک کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ تخفیف کے بعد ایک کا مقابلہ دو سے ضعف کے سبب کیا گیا ہے[1]

امام ابن العربی کی بحث سے ایک بات تو بہر حال واضح ہوتی ہے کہ وہ نسخ کے اس طرح قائل نہیں ہیں جس طرح مکتب فکر اول کے دوسرے علماء و مفسرین کیونکہ انھوں نے بعض ایسی روایات و آراء بھی نقل کی ہیں جو قائلین نسخ کے خلاف جاتی ہیں۔ اسی طرح پانچویں اور چھٹے مسئلہ میں ان کا موقف بھی ان کو اگر دوسرے مکتب فکر میں پوری طرح داخل نہیں کرتا تو ان کے قریب ضرور لے آتا ہے۔

ساتویں/تیرہویں صدی میں امام قرطبی (عبداللہ بن محمد مالکی ۶۷۱ھ) نے اگرچہ بعض چیزوں کا اضافہ کیا ہے تاہم وہ ابن العربی ہی کے پیروکار نظر آتے ہیں تحریف کے معنی بیان کرنے کے بعد آیت اولیٰ کے لفظ کو خبر بتاتے ہیں مگر اس کا مفہوم وعدہ کا لیتے ہیں جو شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ عشرون، ثلاثون اربعون کو جمع بتاتے ہیں اور عشرون کے ع کے کسرہ اور باقی کے حرف اول کے فتح سے بحث کرتے ہیں جو امام نحو سیبویہ (عمرو بن عثمان بصری ۱۸۰ھ/۷۹۶ء) پر مبنی ہے۔ امام ابو داؤد کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جب اول آیت کے حکم کے مطابق مسلمانوں پر یہ فرض کیا گیا کہ ان کا ایک شخص دس دشمن کے مقابلہ سے نہ بھاگے ان پر شاق ہوا تو دوسری آیت کے ذریعہ تخفیف آئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے دشمن کی تعداد میں کمی کی تو اسی کے بقدر صبر میں بھی تخفیف کر دی۔ امام ابن العربی کے حوالہ سے ایک "قوم" کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حکم (اول) بدر کے لیے تھا پھر وہ منسوخ ہو گیا لیکن قائل کا یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ یہ کہیں اور کبھی مروی نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے مشرکوں کا مقابلہ اس حکم کے مطابق کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ پہلی بار فرض کیا تھا اور اس کو فقہ سے مشروط کیا تھا کہ تم سمجھتے ہو اور وہ کافر نہیں سمجھتے۔ اس سے مراد ثواب ہے۔ امام قرطبی کا قول ہے کہ حدیث ابن عباس کی بنا پر اول حکم فرض ہے مگر وہ تخفیف کے بعد دوسرا حکم بن جاتا ہے۔ تخفیف ضرور ہے مگر نسخ نہیں اور یہی صحیح (حسن)

---

[1] احکام القرآن، مطبع السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ اول ص ۳۶۰-۲۷۶

ہے۔ قاضی ابن الطیب کا بیان ہے کہ حکم کا بعض حصہ منسوخ ہو جائے یا اس کے بعض اوصاف منسوخ ہو جائیں یا اس کی تعداد بدل دی جائے تو یہ کہنا جائز ہے کہ وہ نسخ ہے کیونکہ وہ پہلے جیسا نہیں رہا بلکہ دوسرا بن گیا۔ قاضی موصوف نے اس میں اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے[1]

ساتویں آٹھویں / تیرہویں چودھویں صدی کے ہندوستانی مفسر اور نظم قرآن کے علمبردار مخدوم مہائمی (علاء الدین علی بن احمد ۸۳۵-۷۷۶ھ / ۱۴۳۱-۱۳۷۴ء) نے مختصر تفسیر کی ہے جو آیاتِ کریمہ کے ہر ہر جزو کی تشریح و تعبیر کی صورت میں ہے۔ اس کی تلخیص و ترجمانی آیاتِ کریمہ کے جزو جزو کے ساتھ حسب ذیل ہے: "یا ایھا النبی" جب آپ کی پیروی میں یہ اثر ہے تو آپ کا حکم تو تاثیر کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوگا "حرض المومنین" یعنی ان کو آمادہ کریں قتال پر، خواہ دشمن ان کا دس گنا ہو لیکن وہی غالب ہوں گے بشرطیکہ صبر کریں۔ ان یکن .... مومنون میں ایسی کثرت کی شرط رکھی جو مقاومت کے مناسب ہے۔ صابرون .... مائتین دوسو جو بیس کے دس گنا ہوں۔ اور کافروں کی تعداد کی غایت تک تضاعف بھی نقصان دہ نہ ہوگی جبکہ مومنین دس ہوں۔ تا آنکہ اگر مومنوں میں سو صابر ہوں تو ایک ہزار پر غالب ہوں گے اور یہ غلبہ مومنوں کو ہوگا۔ کیونکہ وہ (کافر) دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسی قوم ہیں جو امور آخرت کو نہیں سمجھتے کہ اس کے ثواب کی امید رکھیں اور اس کی زندگی کو دنیاوی زندگی پر ترجیح دیں اور مومنین اللہ سے ثواب و قربت کی امید رکھتے ہیں جس کی بنا پر ان کو موت کا ایسا ہی اشتیاق ہوتا ہے جیسا پیاسے کو پانی کا۔ ایسا مومنوں کی قوت کے ظہور کے زمانے میں تھا لیکن جب وہ کمزور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا اور فرمایا الآن خفف اللہ عنکم کیونکہ تم کمزور ہو گئے ہو اور تم زیادہ ہو گئے تو اسلام کی قوت بھی زیادہ ہو گی۔ اب اس کو تمہارے اندر کمزوری صبر کی معلوم ہو گئی کیونکہ تم کو مسلمانوں کی جماعت کثیرہ کی مدد نظر آنے لگی ہے۔ "پس اگر تم میں سو صابر ہوں گے" یہاں کثرت کا سب سے کم عدد اختیار فرمایا جو کہ وہاں کے سب سے کم عدد کی کثرت سے بھی زیادہ ہے، وہ دوسو ایک گنا پر غالب

---

[1] الجامع لاحکام القرآن۔ الہیۃ المصریۃ العامۃ للکتاب ۱۹۸۶ء ہشتم ص ۴۵-۴۴

ہو جائیں گے اور اگر ہزار ہوں تو غایت کثرت کے باوجود ایک گنا سے زیادہ سے مقاومت نہیں کر سکیں گے بلکہ ان کی غایت یہ ہے کہ وہ دو ہزار پر غالب ہو جائیں غلبہ عدد کا مقتضا نہیں ہے بلکہ اذن الٰہی سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ ضعف کے ساتھ ساتھ صبر کریں تو ان کے لیے ضعفاء کا حکم نہیں ہے کیونکہ اللہ ان کو قوت دیتا ہے اور وہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے۔[1]

نویں / پندرہویں صدی کے امام تفسیر اور نظم قرآن کے دوسرے علمبردار امام بقائی (ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقائی ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء) نے اپنی مفصل تفسیر میں آغاز کلام تحریض کے معانی سے کیا ہے جو متقدمین پر اضافہ ہیں۔ انھوں نے کشاف کے بیان کردہ معانی اور بیضاوی کی ان کی پیروی سے اختلاف کر کے نقد کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "جب ان کو قتال کی طرف بلایا تو ان کو آگاہ کر دیا کہ وہ اس میں نصرت و فتح سے سرفراز ہوں گے بشرطیکہ انھوں نے ذریعہ نصرت (الله النصر) کو تھامے رکھا۔ اور بطور استناف فرمایا: ان یکن..... یہاں خطاب کا صیغہ استعمال کر کے ہمتوں کو اور مضبوط اور عزائم کو پختہ کر دیا جس سے وعدہ پر انتہائی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دو سو کافروں پر بیس صابروں کے غلبہ والی آیت میں اس سچے وعدہ کی تصدیق ملتی ہے کیونکہ صحابہ کرام کے وقائع / مہمات نے ان کو ثابت کر دیا تھا۔" امام بقائی نے مائۃ کے ساتھ صابرہ کی قید نہ لگانے وغیرہ کی حکمت بیان کی ہے پھر فقہ کے معانی میں علم حرب کو سب سے زیادہ ترجیح دی ہے۔ ان کی یہ تفسیر بہت مفصل ہے اور اس میں غزوۂ بدر کے علاوہ خوارج سے قتال کا بھی کافی ذکر ہے۔ آیت تخفیف کے بارے میں ان کا موقف ہے کہ یہ تخفیف تمہارے ساتھ نرمی کرنے اور تم پر رحمت کرنے کی خاطر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تخفیف سے قبل اور اس کے بعد بھی یہ علم ہے کہ تم میں کمزوری ہے جو تعداد اور سامان دونوں میں پائی جاتی ہے۔ یہاں وہ "الٰئن" کے لفظ سے یہ اشارہ نکالتے ہیں کہ نسخ کا عمل مدت گذرنے سے قبل ہوا تھا اور "ایک مدت بعد" نسخ کے وقوع کے قول کو "قیل" کے لفظ سے نقل کرتے ہیں۔ پھر بخاری کی روایت حضرت ابن عباس

---

[1] تفسیر مہائی / تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان، مطبعہ بولاق، مصر، غیر مورخہ، اول ص ۲۹

نقل کرتے ہیں۔ صبر کی تخفیف کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ جماعت میں کم ہونے کے باوجود بعض افراد صحابہ میں وہ کامل تھا جیسا کہ غزوۂ موتہ میں اس کا مظاہرہ ہوا۔ اس غزوہ کی تفصیل دی ہے۔ عہد نبوی کے بعد خلافت اسلامی کی جنگوں سے بھی استشہاد کیا ہے جن میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ان میں ردہ جنگیں، قادسیہ، یرموک کا خاص ذکر ہے۔ مدائنی، سیف، ابن عبدالحکم، بلاذری کی فتوح کا عام حوالہ دیا ہے اور ابوالربیع بن سالم کلاعی اور ان کے شیخ ابن جبیش کا خاص حوالہ۔ امام بقاعی نے اذنِ الٰہی اور صابروں کے ساتھ اللہ کی معیت کی تشریح مفصل کی ہے۔ آخر میں انھوں نے اپنے شیخ شمس الدین محمد بن علی القبابی سے اعداد مذکورہ ہیں، سو وغیرہ کے استعمال کی حکمت نقل کی ہے بہرحال وہ بھی نسخ کی روایات نقل کرنے کے باوجود مکتب ثانی کے زیادہ قریب نظر آتے ہیں[1]

نویں دسویں/پندرہویں سولہویں صدی کے امام تفسیر علامہ ابوالسعود محمد بن محمد العمادی (۸۹۸-۹۸۲ھ / ۱۴۹۰-۱۵۷۴ء) نے اپنی تفسیر میں بعض بہت اہم باتیں کہی ہیں۔ "یا ایھا النبی" سے خطاب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مامور بہ کی جلالتِ شان کے ساتھ کمال اعتناء کا اظہار کیا گیا ہے تحریض کے معنی امام راغب سے اور دوسروں سے استفادہ کے بعد بتائے ہیں۔ "ان یکن ..... میں تحریض مومنین کے حکم کے بعد اللہ کریم نے بطریق استئناف وعدہ کیا ہے کہ مومنوں کی ہر جماعت اپنے جیسے دہ چند دشمنوں (عشرۃ امثالہم) پر غالب ہوگی اور دونوں جماعتوں میں ہوگی خواہ ان کی جماعت قلیل ہو یا کثیر تعداد میں۔ "من الذین کفروا" اور فقہ کی بھی انھوں نے تفسیر کی ہے۔ آیت تخفیف میں انھوں نے ابن جریج کا نسخ کا نقطۂ نظر پیش کیا ہے لیکن ان کا بعد کا نقطۂ نظر اور توضیح ان کو دوسرے مکتب فکر کے زیادہ قریب لاتی ہے کہ وہ خود نسخ کے قائل اس طرح نہیں معلوم ہوتے ہیں[2]

آٹھویں/چودھویں صدی میں امام ابن کثیر اور دسویں/سولہویں صدی میں امام خطیب شربینی اگرچہ تفسیر ماثور کی پابندی کی بنا پر صرف روایاتِ سلف نقل کرتے ہیں

---

[1] تفسیر ابی السعود/ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم۔ مطبعہ محمد علی مصر جلد دوم ص ۴۸-۲۴۷

[2] نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء دہم ص ۲۹-۳۲۰

تاہم وہ بعض ایسی روایات بھی بیان کرتے ہیں جو اولین مکتبِ فکر کے بنیادی نقطۂ نظر — نسخ — کے خلاف جاتی ہیں لہٰذا وہ دونوں اس طرح دونوں مکاتب فکر کے جامع بن جاتے ہیں، ان کو اس اعتبار سے دوسرے مکتب فکر کا ایک گونہ ترجمان بھی کہا جا سکتا ہے۔ اول الذکر نے حضرت ابن عمرؓ کی دو روایات بالخصوص اول کہ وہ چند والی آیت اہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی تھی لکھ کر دوسرے مکتبۂ فکر کو روایتی لحاظ سے بھی مضبوط تر کر دیا ہے۔ اسی طرح موخر الذکر امام تفسیر کے ہاں امام رازی کی تفسیر و مسلک نقل ہوا ہے جو ان کی ترجیح کا عندیہ دیتا ہے

گیارہویں/سترہویں صدی کے آغاز میں یا اس سے قبل والی صدی کے اواخر میں ایک ہندوستانی مفسر ابو الفیض فیضی نے ان دونوں آیات کریمہ کی جو بے نقط تفسیر کی ہے اس کی حدود و پابندی کے باوجود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ وہ بھی نسخ کے قائل نہ تھے اور دو حالتوں کی صورتیں سمجھتے تھے[1]

سرسید (سید احمد خاں ۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) نے مفسرین کے اس خیال سے کہ آیت میں امر ہے اور دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ ہے اتفاق نہیں کیا کیونکہ "سیاق کلام اس کے برخلاف ہے۔ ان آیتوں میں مسلمانوں کو تحریض علی القتال کی گئی ہے اور لڑائی میں صبر و ثابت قدم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ تعداد بیان کرنے سے کسی عدد خاص کا معین کرنا مقصود نہیں ہے .....بلکہ صرف تحریض علی القتال اور ثبات فی القتال مراد ہے[2]"

تیرہویں/انیسویں صدی کے ایک اہم امام تفسیر قاضی شوکانی (محمد بن علی بن محمد زیدی شیعی ۱۱۷۳-۱۲۵۰/۵۵ھ
۱۷۵۹-۱۸۳۴/۳۹ء) نے حسب دستورِ مفسرین تحریض کے معنی سے پہلے بحث کی ہے پھر آیات غلبہ سے۔ فرماتے ہیں کہ "پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو جمانے اور ان کے خواطر کی تسکین کی خاطر ان کو بشارت دی کہ ان کے صابر و ثابت قدم مجاہدین ان جیسے دس گنے کافروں پر (علی عشرۃ امثالھم) غلبہ حاصل کریں گے۔ بیس اور

---

[1] سواطع الالہام، نولکشور پریس لکھنؤ، غیر مورخہ ص ۲۴۱

[2] تفسیر القرآن، خدا بخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۵ء دوم ص ۳۱-۲۸

دوسو کی عددی نسبت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ بشارت اس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر عدد/تمام اعداد میں جاری وساری ہے اس لیے سو اور ہزار کی نسبت کا آئندہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ جماعتِ مومنین کم ہو یا زیادہ کسی حال میں بھی ان جیسے دہ چند کفار ان پر غالب نہ آسکیں گے لیکن تاریخی واقعات یا خارج میں اس کے خلاف بھی واقع ہو چکا ہے کہ کافر جماعتوں میں کتنی جماعتیں دہ چند، نصف یا مساوی تعداد میں مسلمانوں پر غالب آگئی تھیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خارج میں ایسے مخالف واقعات کا پیش آنا آیت کریمہ کے معنی ومفہوم کے معارض نہیں کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ ان مومنوں کا صبر سے متصف ہونا اس درجہ کا نہ ہو۔ امام شوکانی ان آیاتِ کریمہ کو بمعنی امر ہونے کی بات "قیل" (کہا گیا) کے لفظ سے بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی سے متعلق شاق ہونے اور اس کے نتیجہ میں تخفیف ہونے کی بات بھی بیان کی ہے۔ انھوں نے اسی طرح ضعف کی قرارت ومعنی، فقہ کے مفہوم ومطلب میں معروف قول نقل کیا ہے اور "قیل" کے لفظ سے بیس اور دوسو وغیرہ تعداد میں سرایا وغیرہ بھیجے جانے کے تاریخی واقعہ سے بعض مفسرین کی نکتہ آفرینی بھی بیان کی ہے۔ "قیل" سے انھوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ دوسو اور دو ہزار پر غالب آنے کی بشارت میں یہ مزید خوشخبری بھی پنہاں ہے کہ عساکرِ اسلامی عنقریب دہائی اور سیکڑے سے ہزاروں کی تعداد تک بھی متجاوز ہوں گے۔ آخری نکتہ شوکانی کا مفہوم یہ ہے کہ یہ غلبہ اللہ تعالیٰ کے اذن، اس کی تسہیل وتیسیر سے ہوگا نہ کہ مومنوں کی قوت وجلادت سے۔ واللہ مع الصابرین میں یہ بشارت بھی موجود ہے کہ وہ ان کا حامی وناصر ہے اور اس میں صبر کی ترغیب، تاکید ووصیت بھی ہے کہ وہی نجاح وفلاح اور نصر وظفر کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے۔ کیونکہ معیت الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ جو اس سے سرفراز ہوگا اس پر کوئی دوسرا غالب نہیں آسکتا۔ ان کا آخری نکتۂ بحث بہت اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ "اہلِ علم کا اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ تخفیف نسخ ہے یا نہیں؟ اور اس بحث سے بہت زیادہ فائدہ متعلق نہیں ہے۔" اسی لیے امام نے بحث ہی نہیں کی ہے۔[1]

---

[1] فتح القدیر/الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء دوم ص ۳۲۴-۲۵

دوسرے نقطۂ نظر کی زیادہ نمائندگی اور بہتر ترجمانی بعض عہدِ جدید کے مفسرین کے ہاں زیادہ ملتی ہے جس طرح اول الذکر طبقہ کی ترجمانی ملتی ہے چودھویں/انیسویں صدی میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ / ۱۸۳۲-۸۹ء) نے ان دونوں آیاتِ کریمہ کے عددی تناسب کو صبر کی دو حالتیں قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حالت یہ ہے کہ بیس دو سو کا یعنی دہ چند کا مقابلہ کریں اور ایک سو ایک ہزار کا اور کمتر/ادنیٰ حالت یہ ہے کہ دو چند سے مقابلہ ہو۔ یعنی غلبۂ مسلم کی یہ دو حالتیں ہیں جو صبر کی مقدار کے ساتھ مربوط و مشروط ہیں[1]

اس دور کے سب سے اہم مفسر و ترجمان مکتب فکر ثانی ہیں علامہ محمد رشید رضا مصری (۱۲۸۲-۱۳۵۴ھ / ۱۸۶۵-۱۹۳۵ء) اور ان کے استاذ امام شیخ محمد عبدہ مصری (۱۲۶۵-۱۳۲۳ھ / ۱۸۴۸-۱۹۰۵ء) کہ اول الذکر کی تفسیر ان کے استاذِ گرامی کے دروس و تفاسیر پر مبنی و مشتمل ہے تحریض کے معانی راغب و زجاج جیسے امامانِ لغت کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد وہ شرط بمعنی امر ہونے اور اس سے انشاء مراد ہونے کے خیال کا ذکر کرنے کے بعد یہ واضح کرتے ہیں کہ شروط کی تکمیل کی صورت میں یہ عزیمت و رخصت کے دو درجے ہیں پھر اس کی تین صفات سے بحث کی ہے۔ پھر مومنین کے صابرین ہونے کے وصف سے کلام کیا ہے اور اس میں دو وجوہ بیان کی ہیں۔ اس کے انشائی معنی یہ ہیں کہ مومنین صابرین کی جماعت کے لیے یہ لازم و واجب ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں دس گنا صبر کا مظاہرہ کریں خواہ ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔ کیونکہ قتال شروع ہونے کے بعد ان کو جنگ و جہاد کرنے اور فرار کی راہ نہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اس بنا پر "عشرات و مئات" کی درمیانی نسبت کا ذکر لایا گیا اور اسی طرح سو اور ہزار کی باہمی نسبت کا معاملہ ہے کیونکہ یہ عربوں کے نزدیک اسماء عدد کی انتہا ہے اور اس حکم کو خبر یہ لفظ سے لایا گیا تاکہ مبالغہ حاصل ہو۔

فقہ و ثقاہت کے بہت سے معانی ہیں جن میں سے ایک قتال کے بھی ہیں۔ یہاں جس فقہ کا ذکر ہے اس سے مراد جنگ و حرب کے متعلقہ حقائق کا علم ہے اور اس میں مادی اور روحانی دونوں علوم شامل ہیں۔ کیونکہ یہاں یہی نجاح و کامیابی کا سب سے

---

[1] فتح البیان فی مقاصد القرآن، بولاق ۱۳۰۱ھ جلد چہارم ص ۵۵-۵۳

بڑا رکن اور تمام اسباب نصرت میں سب سے بڑا سبب ہے۔ اسی سے یہ حکم الٰہی بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ کفار کے مقابلہ میں ہر علم و فن میں افقہ ہوں۔ قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ میں ایسا ہی تھا۔ علامہ موصوف نے اپنے اس بیان اور فقہ کی مزید تشریح کی ہے اور اسے واقعات و حقائق سے مدلل کیا ہے۔ علامہ موصوف کے مطابق آیتِ اولیٰ میں جو بیانِ حکم ہے وہ عزیمت کے مرتبہ کا بیان ہے۔ جبکہ دوسری آیتِ ۔ تخفیف ۔ میں "مرتبۂ ضعف" کا بیان ہے جسے رخصت کا مرتبہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ضعف کی مختلف قراتوں کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر طرح کا ضعف ہے۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ کفار کے مقابلے میں جنگ کے دوران مسلمانوں کی سب سے کم حالت یہ ہے کہ سو مسلم دو سو پر اور ایک ہزار دو ہزار پر غالب ہوں۔ یہ حالت رخصت کی ہے جو حالت ضعف کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسی کہ اس وقت مومنوں کی حالت تھی جب یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئی تھیں اور وہ غزوۂ بدر کا وقت تھا۔" مفسر موصوف نے پھر جنگِ بدر میں مسلم قوت کا تجزیہ کرکے کہا ہے کہ جب مومنوں کے لیے قوتِ کامل مہیا ہوگئی جیسا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ حالتِ عزیمت میں آجائیں یعنی اپنے سے دہ چند یا اس سے بھی زیادہ سے مقابلہ کریں اور ان پر غالب رہیں اور کیا اس کے سوا ان کے لیے روم و ایران کے ممالک کی فتح مکمل ہو سکی؟ اس جہاد میں بھی پہلے مقتدا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام تھے خواہ وہ عہدِ نبوی کا معاملہ ہو یا اس کے بعد کا۔" موتہ اور یرموک کے دو غزوات سے انھوں نے ایک دس کے تناسب کو ثابت کیا ہے۔

انھوں نے پھر "باذن اللہ" کی تفسیر کی ہے کہ وہ کلام کی صفت سے متعلق ہونے کے سبب یا تو امرِ تکلیف ہے یا اباحت یا ترخیص ہے۔ یا امر تکوینی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنت بیان کرتا ہے یا ان دونوں کا جامع ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ تقدیرِ الٰہی سے متعلق ہے کہ جسے چاہے غلبہ عطا فرمائے۔ اب اسے قدرتِ الٰہی سے متعلق مانا جائے یا ارادۂ الٰہی سے، دونوں برابر ہیں۔ "واللہ مع الصابرین" میں معیتِ الٰہی کی حقیقت و کنہ کا ادراک تو ہم نہیں کر سکتے مگر اس کے نتیجہ کا کر سکتے ہیں جس میں معونت و نصر (مدد) کے معانی پنہاں ہیں۔ علامہ موصوف واضح کرتے ہیں کہ ان دونوں آیاتِ کریمہ میں نسخ کارفرما نہیں ہے کیونکہ رخصت عزیمت کی نفی نہیں کرتی اور پھر یہاں تو وہ ضعف کی موجودگی کی بنا پر پیدا

پیدا ہوئی ہے اور کسی شے کا نسخ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کا امر و حکم نہ دے دیا جائے اور اس حکم پر عمل کرنے کی قدرت نہ ودیعت ہو جائے۔ ظاہری بات یہ ہے کہ دونوں آیاتِ کریمہ ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں"۔ اس ضمن میں علامہ مصری نے امام بخاری کی روایت ابن عباس میں موجود لفظ شاق سے بحث کی ہے اور محدثین کرام کے اقوال و تشریحات سے اس کا صحیح مفہوم واضح کیا ہے۔ "ان یکن" کی قرارت وغیرہ پر بحث کر کے خاتمہ بحث اس اہم نکتہ پر کیا ہے کہ محض ایمان نصر و غلبہ کا ضامن نہیں ہے جب تک اس کی تمام صفات کمالیہ اس میں موجود نہ ہوں اور اس کی عظیم ترین صفات علم حقائق امور اور صبر ہیں اور صبر سے جو چیز مخلوقات کے حق میں مراد لی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور اسی کو یہاں فقہ کہا گیا ہے[1]

غیر منقسم ہندوستان کے عظیم عالم و مفسر مولانا ابوالکلام آزاد (۱۲۷۷-۱۳۷۵ھ / ۱۸۸۸-۱۹۵۸ء) کی تشریح آیاتِ کریمہ مختصر ترین بھی ہے اور کامل و جامع ترین بھی "آیت ۶۵ اور ۶۶ میں دو مختلف حالتوں کے لیے عزیمت و رخصت کی دو مختلف صورتیں فرمائی ہیں۔ ایمان کا خاصا تو یہ ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان دس دشمنوں پر بھاری رہے لیکن چوں کہ ابھی تمہاری حالت بڑی ہی کمزوری کی حالت ہے اس لیے کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرو۔ قوانینِ حق کا فیصلہ یہ ہے کہ غالب رہو گے۔" مولانا مرحوم نے فقہ یعنی غلبہ کی وجہ کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے "علم و بصیرت، معاملہ فہمی، صلاحیتِ کار اور دانش مراد ہے۔ انھوں نے معاصر مسلمانوں کی کمزوری پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے اور اس کا قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے موازنہ بھی[2]

مولانا عبدالماجد دریابادی نے فقہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ "چونکہ سمجھ سے کام نہیں لیتے اس لیے کفر پر مصر ہیں اور اس لیے امدادِ غیبی سے محروم ہیں... اعداد کی یہ نسبت یاد دلانے سے مقصود یہ کہنا ہے کہ تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنا

---

[1] تفسیر المنار، دارالمنار، قاہرہ ۱۹۵۰ء جلد دہم ص ۹۵-۸۶

[2] ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۸۰ء سوم ص ۱۴-۲۱۳

لشکر کے مقابلہ میں بھی پسپا نہ ہو.... مومنوں کے ساتھ ساتھ یہ دوسری کڑی شرط "صابرون" کی بھی لگی ہوئی ہے یعنی پختہ ایمانی کے علاوہ ثابت قدمی کا وصف بھی رکھتے ہوں ..... "ان یکن" سے دونوں جملے جو شروع ہوئے ہیں ان سے مراد یہاں کوئی خبر دینا یا پیش گوئی کرنا نہیں بلکہ مقصود حکم دینا ہے کہ اپنے سے بڑی جمعیت کے مقابلہ میں بھی ثابت وقائم رہو اور گریز اختیار نہ کرو — قرار واجب ہے اور فرار حرام — ....." خبریہ جملہ کو بمعنی امر قرار دینے کی بات انھوں نے عام عربی زبان اور بلاغتِ قرآنی کے علاوہ امام جصاص، تفسیر کبیر اور قاضی بیضاوی کے حوالہ سے کہی ہے .... فتح وغلبہ میں بڑا دخل اعتقاد صحیح وثبات قلب کو ہے اور یہ نعمتیں ایمان ہی سے حاصل ہوتی ہیں" اعداد کی نسبت میں اہل تفسیر کی نکتہ آفرینی بتائی ہے کہ امر جہاد موقوف ہے جماعت و فوج پر، یہ نہیں ایک ایک دو دو آدمی بھی جہاد کے لیے کھڑے ہو جائیں اور جوش طبعی طور پر سر دپڑ ہی جاتا ہے جب تعداد قلیل سے کثیر ہو جاتی ہے۔" وہ بھی "الئٰن" کے لفظ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ پچھلی آیت اور اس آیت کے نزول کے درمیان خاصہ طویل وقفہ گزرا ہے۔" ضعف، باذن اللہ وغیرہ کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر وہی ہے جو مولانا تھانوی اور دوسرے ترجمانانِ مکتبِ اول کا ہے "خفف" کے حوالہ سے انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ دلچسپ ہے کہ اس "لفظ سے ادھر اشارہ ہے کہ اصل قاعدہ اور وعدہ تو وہی رہا جو اوپر بیان ہو چکا صرف مشقت تم پر سے گھٹادی گئی — یعنی اب اگر تم متحمل نہ ہو سکو اور ذرا لڑ کھڑا جاؤ تو ویسی گرفت نہ ہوگی۔[1]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (۹۷-۱۹۰۳ء) نے فقرہ سے مراد "قوتِ معنوی یا قوتِ اخلاقی (Morale)" کو لیا ہے اور اس کی تشریح کر کے عددی تناسب کے بارے میں لکھا ہے " اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلے ایک اور دس کی نسبت تھی اور اب چونکہ تم میں کمزوری آگئی ہے اس لیے ایک اور دو کی نسبت قائم کردی گئی ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اصولی اور معیاری حیثیت سے تو اہل ایمان اور کفار کے درمیان ایک اور دس کی ہی نسبت ہے لیکن چونکہ ابھی تم لوگوں کی اخلاقی

---

[1] تفسیر قرآن / تفسیر ماجدی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۹۶ء جلد دوم ص۱۳۵ — ۳۱۱

تربیت مکمل نہیں ہوئی ہے اور ابھی تک تمہارا شعور اور تمہاری سوجھ بوجھ کا پیمانہ بلوغ کی حد کو نہیں پہونچا ہے اس لیے سر دست بر سبیل تنزل تم سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دوگنی طاقت سے ٹکرانے میں تو تمہیں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے خیال رہے کہ یہ ارشاد ۲ھ کا ہے جب کہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ابھی تازہ تازہ ہی داخل اسلام ہوئے تھے اور ان کی تربیت ابتدائی حالت میں تھی۔ بعد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں یہ لوگ پختگی کو پہونچ گئے تو فی الواقع ان کے اور کفار کے درمیان ایک اور دس کی نسبت قائم ہوگئی چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عہد اور خلفائے راشدین کے زمانے کی لڑائیوں میں بارہا اس کا تجربہ ہوا۔" اس سے قبل مولانا موصوف نے سورہ کی شانِ نزول کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سورہ کا مضمون اسے ایک ہی تقریر بتاتا ہے" مگر ممکن ہے کہ اس کی بعض آیات جنگِ بدر ہی سے پیدا شدہ مسائل سے متعلق بعد میں اتری ہوں اور پھر ان کو سلسلۂ تقریر میں مناسب جگہوں پر درج کر کے ایک مسلسل تقریر بنا دیا گیا ہو[1]"

اس طبقہ کے آخری ترجمان کی حیثیت سے ہم نے علامہ عبداللہ یوسف علی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء کو منتخب کیا ہے جنھوں نے مذکورہ آیات کی تفسیر کی ہے۔

۱۲۳۲۔ کسی جنگ میں ایک کے مقابلہ میں دس کا تناسب خواہ کسی کے خلاف ہو ہمت شکن ہے۔ لیکن وہ جذبۂ اہلِ ایمان کو سرد نہیں کرتا۔ خواہ وہ اپنی نجی زندگی میں فتحیاب ہوں یا شہادت سے ہم کنار۔ مقصد بہرکیف غالب آتا ہے۔ اہلِ ایمان کو فتح کی ضمانت حاصل ہے۔ کیونکہ (۱) ان کے پاس نصرتِ الٰہی کا وعدہ ہے (۲) اور انسانی اعتبار سے جو لوگ حق و انصاف کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں وہ احمق ہوتے ہیں اور ان کی ظاہری قوت محض ایک شکستہ عصا ہوتی ہے۔

۱۲۳۳۔ یکساں حالات میں مسلمان اپنے عقیدہ و ایمان کے سبب ایک کے مقابلہ میں دس کے تناسب پر بھی حاوی اور غالب ہو سکتے ہیں۔ لیکن جن مواقع پر تنظیم اور سامان حرب کمزور ہو، جیسا کہ غزوۂ بدر کے وقت تھا، ان پر نسبتاً ایک ہلکا فریضہ

---

[1] تفہیم القرآن مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی ۱۹۸۳ء دوم ص ۵۸-۱۵۷ اور ص ۱۱۸ بالترتیب

عائد کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اپنے خلاف صرف دو چند دشمن سے نبرد آزما ہوں۔ حقیقت کی بات یہ ہے کہ جنگ بدر میں اہل ایمان نے اپنے سے تین گنی سے زیادہ تعداد پر فتح پائی تھی۔

آئندہ سطور میں ہم ان تفسیری آراء کا تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے۔[1] (باقی آئندہ)

۱؎ قرآن کریم، شرکۃ الراجحی، میری لینڈ، ریاستہائے متحدہ امریکہ۔ ص ۳۲-۳۱ ۴

تصنیفی تربیت کے لیے وظائف

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ کے شعبۂ تصنیفی تربیت کے تحت دینی مدرسوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ طلبہ کو ان کے حسب ضرورت عربی یا انگریزی کی تعلیم کے ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کی دو سالہ تربیت دی جاتی ہے۔ منتخب ہونے والے افراد کو ادارہ کی نئی اور کشادہ عمارت میں قیام کی سہولت کے ساتھ ایک ہزار روپے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے گا۔

درخواست دہندہ کا کسی معروف عربی مدرسہ سے فضیلت یا اس کے مساوی سند کا حامل ہونا ضروری ہے۔ ساتھ ہی ہائی اسکول کے معیار کی انگریزی کی صلاحیت بھی لازمی ہے۔ عربی نہ جاننے کی صورت میں ایم اے ہونا ضروری ہے۔ بی اے پاس شدہ افراد بھی درخواست دے سکتے ہیں بشرطیکہ عربی کی اچھی استعداد رکھتے ہوں۔

تحریک اسلامی سے متعلق یا کسی معروف شخصیت کی تصدیق کے ساتھ حسب ذیل معلومات فراہم کی جائیں۔

(۱) نام (۲) عمر (۲۴ سال سے زیادہ نہ ہو) (۳) پورا پتہ (۴) تعلیمی استعداد (اسناد اور مارکس شیٹ کی نقول کے ساتھ) (۵) کورس کے علاوہ مطالعہ کی تفصیل (۶) مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مضامین کی نقل (۷) ان موضوعات کی تفصیل جن سے درخواست دہندہ کو خصوصی دلچسپی ہو۔

انتخاب انٹرویو کے بعد ہوگا۔ جن افراد کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا انھیں ایک طرف کا کرایہ سکنڈ کلاس مع سلیپر چارجز کے دیا جائے گا۔

سکریٹری **ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی**

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ